مسلم عائلی قوانین آرڈینس ۱۹۶۱ء سے متعلق فقہاءپاکستان کی آراء: ایک تنقیدی جائزہ

The Opinions of Pakistani Scholars Regarding Muslim Family Laws Ordinance 1961: A Critical Review

☆ ڈاکٹر محمد عبدالعلی اچکزئی

☆☆ ڈاکٹر حافظ صالح الدین

Abstract:

For all laws, rules and regulations including family laws,the main sources of derivation are the Holly Quran and Sunnah. In Islamic terminology, all of the above rules of conduct, so for expressed are called shari`ah. Not only laws related to family code or rituals are derived from the same sources, rather all economic, political and social rules and regulations are also derived from these Fundamentals of Islamic Shari`ah.In an Islamic Society, family holds an important position like an institution. All the members of the family including women, as mothers, sisters, daughters or wives can play their role in various capacities. The most important points in family matters are related to marriage, divorce, Iddat, Raza`at, Hibba and inheritance, etc. keeping in view the emerging scenario and contemperory issues, this article discusses the problems related with family matters, particularly the issues of monogamy (marriage with one woman) and bigamy (Marriage with two women). These laws compiled in the muslim family laws of Ordinance 1961, are critically analyzed by the renown scholars of Pakistan in this paper.

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر وصدر شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ۔

☆☆ اسسٹنٹ پروفیسر / چیرمین شعبہ اسلامیات وعربی عبدالولی خان یونیورسٹی مردان

اسلام کے عائلی قوانین بنیادی قوانین ہونے کی وجہ سے مسلم معاشرہ کے اہم اجزاء ہیں ۔عائلی قوانین سے مراد مسلمانوں کے وہ مسائل ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کے خاندانی نظام سے ہے،اسلام چند مخصوص مذہبی عبادات کے ادا کر لینے اور چند رسومات کے بجالانے کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ضابطہ اور قوانین پیش کرتا ہے ،ان تمام ضوابط وقوانین کو جو اس دین خداوندی نے انسان کو اس کی عبادات ،مناکحات ، معاملات ،عقوبات ، معاشرت، معاشیات ،سیاسیات اور وراثت وغیرہ کے سلسلے میں عطا کیے ہیں ،شریعت کہتے ہیں،جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے،اسلامی زندگی کے حدود مقرر ہیں،ان حدود سے تجاوز کرنا مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے،اسلام کے عقائد وعبادات جس طرح قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں،اسی طرح اس کے اقتصادی ،سماجی اور معاشرتی قوانین کے ساتھ ساتھ عائلی قوانین کا سرچشمہ بھی قرآن واحادیث ہی ہیں اور یہ قوانین بھی اس کے مذہب کے اسی طرح جزء ہیں جس طرح عقائد وعبادات ۔ان قوانین کا مسلمانوں کے رسم ورواج سے قطعی کوئی تعلق نہیں ، بلکہ جو اعمال وافعال اور رسم ورواج گردوپیش کے حالات اور ماحول کے اثرات سے مسلم معاشرہ میں رائج ہوگئے ہیں ،اسلام اس سے انکار ہی نہیں کرتا ہے ، بلکہ اس کی بھرپور مذمت بھی کرتا ہے۔

خاندان اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور خاندان کے استحکام اور خوشحالی پر پورے معاشرے کی خوشحالی اور استحکام کا دارومدار ہے،خواتین خاندان کی تشکیل میں اساسی کردار ادا کرتی ہیں ، کیونکہ اسلام نے خواتین کو خاندانی امور میں بنیادی کرادار سونپا ہے۔خاندان کی تشکیل ،تعمیر اور اس کے پروان چڑھانے میں مردوں سے بڑھ کر خواتین کا کردار ہے ۔خاندان میں عورت بحیثیت ماں ،بہن ، بیوی اور دوسری خواتین رشتہ داروں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرتی ہے ۔کسی بھی خاندان کی تشکیل نکاح سے ہوتی ہے اور عورت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا ہے اور نہ ہی خاندان کی تشکیل ہوسکتی ہے ، گویا خاندان یا عائلی قوانین کا آغاز نکاح سے ہوتا ہے ۔نکاح کے علاوہ اسلام کے عائلی قوانین میں طلاق ،عدت ،حضانت ، رضاعت ،وصیت ،ھبہ اور وراثت وغیرہ کے مباحث شامل ہیں۔

ایوب خان کے دور صدارت میں پاکستان میں ازدواجی اور عائلی قوانین کی تشکیل کے لیے ایک کمیشن بنایا گیا ،اس کمیشن نے بعض عائلی قوانین بنائے ، جسے بعد میں مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی صورت میں

نافذ کیا گیا۔

زیرِنظر آرٹیکل میں اس آرڈیننس کے متعلق علماء وفقہاءِ پاکستان کی آراء کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) اندراج نکاح: مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی رُو سے ہر وہ نکاح جو اسلامی قانون کے مطابق ہو، اس کا رجسٹرارنکاح کے پاس اندراج ہونا ضروری ہے، ہر یونین کونسل ایک یا ایک سے زیادہ لوگوں کو نکاح رجسٹرڈ کرنے کا لائسنس دے گی، تاہم ایک وارڈ میں ایک سے زیادہ لوگوں کو یہ لائسنس نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح اس آرڈیننس کی رو سے ہر ایسا نکاح جو نکاح رجسٹرار نے منعقد نہ کروایا ہو، اس کی اطلاع نکاح رجسٹرار کو دینا ہوتی ہے اور اس کے پاس اس کا اندراج کروانا ضروری ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو یہ قابل سزا جرم ہے، جس پر تین ماہ تک قید محض یا ایک ہزار روپے تک جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ نکاح کو رجسٹرڈ کرنے کی غرض سے ہر نکاح رجسٹرار رجسٹرڈ برائے اندراج کو منظّم کرتا ہے، یہ رجسٹر یونین کونسل میں محفوظ رکھا جاتا ہے، جبکہ ہر رجسٹر ہونے والے نکاح کی ایک کاپی شوہر اور بیوی دونوں کو فراہم کی جاتی ہے، مجوزہ فیس ادا کرکے رجسٹرڈ نکاح نامہ کی کاپی حاصل کی جاسکتی ہے۔(۱)

عائلی قوانین آرڈیننس کے مذکورہ دفعہ کے مثبت اور منفی پہلوؤں کے متعلق علماء پاکستان نے اپنی آراء کا اظہار کچھ یوں کیا ہے، مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

''اگر اس قانون کا منشاء یہ ہے کہ جو نکاح رجسٹریشن کے بغیر عمل میں آئے، وہ قانوناً نکاح ہی نہ قرار دیا جائے، تب تو یہ دفعہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے واضح ارشادات کے بالکل منافی ہے، نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نکاح کے شرائط میں رجسٹری کرانے کو کہیں دخل دیا ہے اور نہ پوری امت نے اس کو شرط سمجھا ہے، اور اگر منشا یہ ہے کہ نکاح تو تسلیم کیا جائے، مگر خلاف ورزی قانون کی بنا پر اس کو سزا دی جائے، تو یہ ایک خالص انتظامی معاملہ ہے، بدنظمی اور جعلسازی کو روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے ایسا اقدام تو مناسب ہے، مگر اس پر اتنی شدید سزاؤں کا کوئی جواز نہیں ہے، ہر برائی کو سزاؤں ہی کے ذریعے روکنے کا تصور کچھ اچھا نہیں''۔(۲)

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں:

''نکاح کی رجسٹری کا حکم قرآن یا حدیث سے ثابت نہیں، مگر کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں ہے جس سے نکاح کی رجسٹری کی ممانعت کی گئی ہو، بلکہ فقہائے حنفی کے نزدیک کتابت نکاح مستحب ہے (ملاحظہ ہو، فتح

القدیر، ابن الہمام، کتاب النکاح) لیکن نکاح کا حسب ضابطہ رجسٹر ہونا یہ نہ ہونا جواز نکاح پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، چنانچہ اگر کسی کے نکاح کی رجسٹری نہ ہوئی ہو، مگر نکاح کے دوسرے مطلوبہ ارکان پورے کیے گئے ہوں تو نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہ پڑے گا، رجسٹری کی حیثیت محض اضافی ہے، بجائے خود نکاح کی کسی شرط کا حکم نہیں رکھتی۔ نکاح کی رجسٹری کو لازمی قرار دینے کا منشاء ان دقتوں اور دشواریوں کو دور کرنا ہے جو نکاح سے انکار کی صورت میں ثبوت نکاح کے سلسلے میں پیش آتی ہیں، چنانچہ انتظامی مصالح کے پیش نظر رجسٹرار کا تقرر اور شرعی مصالح کے حصول کے لیے رجسٹری کے حکم میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے''۔(۳)

مفتی سیاح الدین کاکاخیل لکھتے ہیں:

''نکاح کا ایک رجسٹر میں باقاعدہ درج کرانے کا انتظام یقیناً مفید ہے، اگر رجسٹر میں اندراج ہوتا جائے تو پھر اوّل تو جھگڑے واقع نہ ہوں گے اور اگر واقع ہو بھی جائیں تو رجسٹر میں اندراج ہونے کی وجہ سے فصل خصومات میں بھی سہولت ہوگی، یوں تو لازم کر دینے میں ایک لحاظ سے کچھ حرج نہیں، جب رجسٹرڈ کرنے میں طرفین کا فائدہ ہے تو اگر ان پر لازم کر دیا جائے کہ نکاح جب بھی پڑھائیں تو اسی وقت یا اس کے بعد جلد از جلد اس کا اندراج ضرور کر دیں، تاکہ وہ بروقت اس سے فائدہ اٹھا سکیں، تو یہ ایک مناسب انتظام ہے اور لازم کر دینے کا مطلب صرف یہ ہو کہ اگر کسی نے نکاح کا اندراج کسی خاص میعاد کے اندر بلا کسی معقول عذر کے نہ کیا تو اس کا کوئی جرمانہ لگا دینا چاہیے، ہاں البتہ لازم کر دینے کا مطلب یہ نہ ہو کہ اس نکاح کو کالعدم قرار دیا جائے، بلکہ شرعی گواہوں اور شہادتوں کی رو سے اگر باقاعدہ نکاح ثابت ہے تو نکاح کو درست تسلیم کرنا ہوگا اور اس پر نکاح کے تمام شرعی احکام مرتب ہوں گے اور صرف اس لیے نکاح کو غیر نافذ نہ کرنا پڑے کہ رجسٹر میں اس کا اندراج نہیں''۔(۴)

مفتی محمودؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''اسلام ایک سادہ مذہب ہے اور وہ کسی کے لیے مشکلات پیدا نہیں کرتا، اسلام کے اصول کے مطابق اگر دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ہوجائے تو نکاح ہوجاتا ہے، نکاح کے سلسلہ میں رجسٹریشن کو لازمی قرار دینا ایک زائد شرط ہے، اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ دوسری خرابی اس قانون میں یہ ہے کہ اسلام میں اگر زوجین خود بغیر کسی نکاح خوان کے دو گواہوں کے سامنے باہمی ایجاب وقبول کر لیتے ہیں تو نکاح ہوجاتا ہے، لیکن عائلی قوانین میں ایک تیسرے شخص (رجسٹرار یا نکاح خوان) کے وجود کو نکاح کے انعقاد کے لیے ضروری

قرار دیا ہے یہ بھی زائد شرط ہے جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سرے سے رجسٹریشن کے خلاف ہوں، نکاح کا لکھ لینا کوئی بُری بات نہیں۔۔۔یادداشت کے طور پر لکھنا ٹھیک ہی رہتا ہے، میرا سوال یہ ہے کہ اگر رجسٹریشن نہیں کرایا گیا تو کیا اس کو سزا ملنی چاہیے، ہرگز نہیں، کیوں کہ اسلام کی رو سے زوجین کے درمیان یہ نکاح جائز نکاح ہے، رجسٹر نہ کرانے والے کے لیے یہ سزا کافی ہے کہ بوقت اختلاف اس کو ثبوت نکاح میں دشواری ہوگی اور وہ نکاح ثابت کرنے کے لیے گواہوں کو حاضر کرنے کی کلفت اٹھائے گا۔

چونکہ عدالت تحریری ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے اس نکاح کو درست تصور نہیں کرے گی، اب فرض کرو اس منکوحہ عورت کا اغوا کیا گیا اور اغوا کنندہ یا کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح ہوگیا، تو اس کا پہلا اصلی شرعی خاوند عدالت میں دعویٰ دائر نہیں کرسکتا، کیونکہ اس کے پاس اپنے نکاح کا کوئی تحریری ثبوت موجود نہیں اور عدالت اصلی شرعی نکاح کو تسلیم ہی نہیں کرتی تو وہ مرد اپنی منکوحہ عورت کی واپسی کے مطالبہ کا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کرسکتا، نیز یہ عورت اپنے جائز خاوند کی وراثت میں حصہ دار ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر نہیں کرسکتی اور نہ خاوند اپنی اس عورت کے مرنے کے بعد اس کی وراثت کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ وعلی ھذا القیاس یہی حشر ان دونوں کی اولاد کا ہوگا اور عدالت سے والدین کے مال متروکہ میں ان کو حق وراثت نہیں دلایا جاسکتا، نہ عورت اس نکاح کی بنیاد پر حق مہر یا نان نفقہ کا مطالبہ کرسکتی ہے۔اس لیے عدالت اس نکاح کو تسلیم ہی نہیں کرتی، یہ خرابیاں ایسی ہیں جو صریحاً مداخلت فی الدین ہیں۔لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ناجائز نکاحوں کی روک تھام ہوجائے گی، میں کہتا ہوں کہ رجسٹریشن سے ناجائز اور جھوٹے نکاحوں کی روک تھام ہرگز نہیں ہوسکتی، ناجائز نکاح اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک کہ معاشرہ کی اصلاح نہیں کی جاتی اور نہ ہی ان خرابیوں کا انسداد اس وقت تک ہوسکتا ہے جب تک بدمعاش اور غنڈے موجود ہیں، عائلی قوانین کے باوجود ایسا ہی ہوتا رہے گا۔رجسٹریشن کے باوجود یہ قباحتیں پیدا ہوسکتی ہیں، مثلاً کوئی شخص رجسٹرار کو کچھ رشوت دے کر اس سے نکاح کا سرٹیفکیٹ لے سکتا ہے اور کسی بے خبر عورت کے ساتھ اپنا نکاح جھوٹ موٹ عدالت میں رجسٹریشن کی بنا پر ثابت کرسکتا ہے، قصہ کوتاہ جب تک معاشرہ کی اصلاح نہیں ہوتی، ان بدمعاشیوں اور ناجائز نکاحوں کا علاج نہیں ہوسکتا''۔(۵)

(۲) تعدّدِ ازدواج:۔ مسلم عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے مطابق ایک مرد حکومت کی اجازت کے بغیر دوسری شادی نہیں کرسکتا، چنانچہ آرڈیننس ہذا کی دفعہ ۶ میں کہا گیا ہے کہ:

''کوئی شخص موجودہ نکاح کی موجودگی میں ثالثی کونسل کی پیشگی تحریری اجازت کے بغیر دوسرا نکاح نہیں

کرے گا، نہ وہ نکاح جو مذکورہ اجازت کے بغیر کیا گیا ہو، اس آرڈیننس کے تحت رجسٹر کیا جائے گا''

دفعہ ۶ کی ذیلی دفعہ (۱) کے تحت مجوزہ نکاح کی وجوہ بیان کی جائیں گی اور یہ کہ آیا اس سلسلہ میں موجودہ زوجہ یا ازواج کی رضامندی حاصل کر لی گئی ہے۔

آرڈیننس میں مزید کہا گیا ہے کہ جو ثالثی کونسل کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرے تو اسے استغاثہ میں سزایابی پر اتنی مدت کے لیے قید محض کی سزا دی جائے گی جو ایک سال تک ہو سکتی ہے یا پانچ ہزار روپے تک جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔(۶)

مسلم عائلی قوانین کے مذکورہ دفعہ کی بابت علما کی تجزیاتی آراء:

مفتی محمود صاحب کا تجزیہ:

''تعدادِ ازواج کا مسئلہ بلاوجہ کھڑا کیا جا رہا ہے، حالانکہ تعدادِ ازدواج کوئی نفرت کی چیز نہیں ہے، نہ عیب کی بات ہے اور نہ کوئی بُری رسم ہے، البتہ اس کو اس طرح روکنا مداخلت فی الدین ضرور ہے، صرف ایک ہی بیوی تک رکھنے کی پابندی لگانا یورپ والوں کی نقالی ہے، اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام نے ہمیشہ تعدادِ ازدواج کی اجازت دی ہے، قرآن کریم کی سورہ نسآء ملاحظہ فرمائیں۔

﴿فَانكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاء مَثْنَى وَثُلاَثَ وَرُبَاعَ﴾ (النساء،۴:۳)

''تم نکاح کرو اپنی پسند کی عورتوں سے دو دو سے اور تین تین سے اور چار چار سے''

اس جگہ ایک عورت سے نکاح کرنے کا بالکل ذکر نہیں ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے عام حالات میں اپنے کلام پاک میں تعدادِ ازدواج کا ہی مشورہ دیا ہے، ایک عورت سے نکاح کا ذکر بعد میں ایک شرط کے ساتھ کیا گیا ہے:

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ تَعْدِلُواْ فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء،۴:۳)

''اور اگر تمہیں خطرہ ہے کہ (متعدد بیویوں میں) انصاف نہیں کر سکو گے تو (اس ضرورت کے وقت) ایک عورت سے نکاح کرو یا باندی سے''

مطلب یہ ہوا کہ اگر خطرہ ہے کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے اور اپنی طبیعت پر تمہیں کنٹرول نہیں ہے، تو اس حالت میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ صرف ایک عورت سے یا باندی سے نکاح کرو، گویا صرف غیر معمولی حالات میں ایک عورت سے نکاح کا ذکر ہے، یعنی اگر تمہاری طبیعت میں ظلم ہے تو پھر ایک بیوی پر کفایت کرو یا باندی سے نکاح پر اکتفا کرو، تو یہ کفایت کا نکاح ہے، بامر مجبوری اگر طبیعت ظالمانہ ہے تو ایک ہی نکاح مناسب

ہے ۔اگر ایک عورت سے نکاح اولیٰ اور بہتر ہوتا تو ابتداء سے مثنیٰ وثلٰث ورباع سے قبل واحدۃ کا ذکر ہوتا (ترتیب اس کی مقتضی ہے) لیکن قرآن کریم نے وحدت کو چھوڑ کر متعدد نکاحوں کا عام مشورہ دیا ہے ۔۔۔اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اسلام نے کسی عورت کو مجبور نہیں کیا ، عاقلہ بالغہ عورت خود مختار ہوتی ہے، عورت اپنی مرضی سے کسی سے اجازت لئے بغیر بھی اپنا نکاح کرسکتی ہے ،اگر نکاح نہ کرے تو کوئی اسے نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا ۔اب کوئی عورت اگر دوسری بیوی بننا نہیں چاہتی،تو وہ ایسے شخص سے نکاح نہ کرے جس کے گھر میں پہلی بیوی موجود ہے ۔اسے کون مجبور کرسکتا ہے،لیکن جب وہ دیکھتی ہے کہ اس کے گھر میں ایک اور بیوی موجود ہے اور وہ اپنی مصلحت کے تحت اپنے اختیار سے اس کی دوسری بیوی بنتی ہے،تو وہ کس سے شکایت کرتی ہے''۔(۷)

مفتی محمد شفیع کا تجزیہ:

''قرآن کا کھلا ہوا فیصلہ اس معاملے میں ہر مسلمان جانتا ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۳ نے مسلمان کے لیے چار عورتوں تک بیک وقت نکاح میں جمع رکھنے کی اجازت دی ہے، رہا ان کا یہ کہنا کہ قرآن نے خود واضح کر دیا ہے کہ یہ اجازت ان لوگوں کے لیے ہے جو ایک سے زائد بیویوں کے حقوق عدل وانصاف کے ساتھ پورے کرسکیں اور جو اس پر قادر نہیں،اس کے لیے قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر تم چند بیویوں میں برابری نہ کرسکو تو پھر ایک ہی نکاح پر اکتفاء کرنا چاہیے ۔سو یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن نے پہلے نکاح کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص ایک بیوی کے نان نفقہ کی بھی قدرت نہیں رکھتا ،اس کو چاہیے کہ اس وقت تک نکاح نہ کرے جب تک اس کو اللہ تعالیٰ اتنی وسعت نہ عطا فرمادیں جس سے بیوی کا نفقہ ادا ہوسکے ۔اس لیے بالفعل اس کو صبر وعفت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے ۔جن حضرات کو حق تعالیٰ نے فہم قرآن کی توفیق بخشی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں حکم ایک اخلاقی ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر انسان گناہ گار اور محشر میں جوابدہ ہوگا ،ان دونوں آیتوں میں نکاح پر کوئی قانونی پابندی نہیں کہ نکاح کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے ،اور یہ اخلاقی ہدایت جیسے ازدواج ثانی پر ہے،اسی طرح پہلے نکاح پر بھی ہے''۔(۸)

مفتی سیاح الدین کاکاخیل کا تجزیہ:

''جب اسلامی تعلیمات کی رو سے عقد ثانی ممنوع نہیں اور نہ کوئی برائی ہے ،اس لیے ہر ایسی تجویز جو اس کو روکنے یا پابندیاں عائد کر کے عملاً ختم کر دینے کی ہو ہمارے نزدیک غلط ہے،اگر عقد اول کسی عدالت کی

اجازت کے ساتھ مشروط نہیں ہوسکتا، تو عقد ثانی یا ثالث یا رابع کو کیوں مشروط کیا جائے ؟ درحقیقت ایسی تجویزیں مغربی ذہنیت کی پیداوار ہیں اور ہم بالکل اس کو غلط اور ناجائز سمجھتے ہیں ۔۔۔ تجویز یہ پیش کی جارہی ہے کہ عدالت عقد ثانی کی اجازت صرف اس صورت میں دے جبکہ ایک شخص دو بیویوں اور ان کی اولاد کی کفالت کرسکتا ہو، سوال یہ ہے کہ جو شخص ایک بیوی اور اس کی اولاد کی بھی کفالت نہ کرسکتا ہو، اسے نکاح کی کھلی چھٹی کیوں مل رہی ہے؟ اس بنا پر تو ہر شخص کے عقد اول کا معاملہ بھی عدالت کی منظوری تک معلق رہے اور جب تک نکاح کا ہر خواہش مند عدالت کو اپنی مالی پوزیشن کے متعلق اطمینان نہ دلا دے، اس وقت تک اسے نکاح کی اجازت نہ دی جائے''۔(۹)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا تجزیہ:

''اب آپ ذرا اس پہلو سے بھی غور فرمایئے کہ ہمارا آرڈیننس پوری قوم کے ذہن میں یہ بٹھلا دینا چاہتا ہے کہ تعدد ازدواج ایک برائی ہے جسے صرف ناگزیر حالات ہی میں اختیار کیا جاسکتا ہے، اگر یہ بات قوم کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے اور دوسری طرف وہ یہ دیکھتی ہے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام، اکثر صحابہ ؓ اور خلفاء راشدین ؓ، بیشمار تابعین اور ائمہ مجتہدین اور ہماری تاریخ کے مایہ ناز ہیرو تعدد ازدواج پر عمل کرتے رہے ہیں، تو وہ اس سے جو نتیجہ نکالے گی وہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ یورپ اور امریکہ کے غیر مسلم لوگ بڑے نیک اور پارسا ہیں، جو اس برائی پر عمل نہیں کرتے اور ہمارے اسلاف معاذ اللہ شروع سے لے کر آخر تک اس برائی پر عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ کیا یہ تصور کسی مسلمان کے لیے قابل برداشت ہے؟''۔(۱۰)

تقابلی جائزہ:

علماء کی پیش کردہ مذکورہ بالا تمام آراء اور فتاویٰ میں تعدد ازدواج پر پابندی اور اسے مشروط کرنے کی مخالفت کی گئی ہے، جبکہ بعض سکالرز نے بعض ترامیم کے ساتھ اس دفعہ کی حمایت کی ہے، مثلاً تنزیل الرحمٰن کے نزدیک اسلام بیک وقت ایک عورت سے زائد عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی صرف اسی وقت اجازت دیتا ہے جب کہ ان کے درمیان عدل قائم رکھا جاسکے، ان کے نزدیک چونکہ ایک عام پاکستانی مسلمان ایک سے زائد عورتوں کے نکاح میں ہونے کی صورت میں ان بیویوں کے درمیان بالعموم عدل و مساوات قائم نہیں رکھتا، اس لیے حکومت کو ایسے قانون سازی کا حق حاصل ہے کہ جس کے ذریعے معاشرے کو برائیوں سے محفوظ رکھا جاسکے

اور یہ قانون بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ یہ تجویز بھی دیتا ہے کہ پاکستان کے نافذ الوقت قانون میں ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی اجازت کے حصول کے لیے موجودہ زوجہ کی مرضی غیر منطقی اور غیر حقیقی ہے، اس کو حذف کر دینا چاہیے۔(۱۱)

(۳) زوجین میں اختلاف اور مصالحت: ازدواجی زندگی میں کبھی اختلافات بھی رونما ہو سکتے ہیں، حکم ہے کہ ان اختلافات کو میاں بیوی خود ہی حکمت سے رفع کرنے کی کوشش کریں۔ مرد وسعت ظرف اور صبر وتحمل کا مظاہرہ کرے، عورت کا رویہ غلط اور ناپسندیدہ ہو، تو افہام وتفہیم سے کام لے۔ حالات کو ٹھیک کرنے کے لیے وہ ناگواری کا اظہار بھی کر سکتا ہے اور خواب گاہ میں اس سے الگ رہ سکتا ہے، بوقت ضرورت کسی قدر سختی کی بھی اسے اجازت ہے، لیکن ایک حد سے آگے بڑھنے کا اسے حق نہیں ہے۔ اسی طرح عورت مرد کے اندر بے توجہی محسوس کرے، تو اپنے حقوق پر اصرار کرنے کی جگہ حقوق چھوڑنے کے لیے آمادہ ہو جائے۔ اس کے باوجود تعلقات ٹھیک نہ ہوں تو دونوں طرف کے دو افراد کو حکم مان کر ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا جائے، اس سے بھی تعلقات بحال نہ ہوں، تو طلاق یا خلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کی جائے، تاکہ دونوں ازدواجی بندھن سے آزاد ہو کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔(۱۲)

مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ء میں بھی زوجین کے درمیان مصالحت کا ذکر ہے، لیکن اس آرڈیننس کی رو سے مصالحت کے لیے طلاق کے بعد اقدامات تجویز کئے گئے ہیں، جیسا کہ مذکورہ آرڈیننس کے دفعہ ۷ کے ذیلی دفعہ ۴ میں کہا گیا ہے کہ:

''طلاق کے نوٹس کی وصولی کے تیس دن کے اندر چیرمین فریقین میں مصالحت کرانے کی غرض سے ایک ثالثی کونسل تشکیل دے گا اور ثالثی کونسل مذکورہ مصالحت کرانے کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے گی۔(۱۳)

تقابلی جائزہ:

مصالحت کا کام طلاق سے پہلے ہونا چاہیے نہ کہ طلاق کے بعد اور یہی مصالحت کے متعلق آیات قرآنی کا تقاضا ہے، جیسا کہ مولانا مفتی محمود لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق صلح کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر زوجین میں نزاع ہو جائے تو طلاق سے قبل ایک حکم اُدھر سے اور ایک اِدھر سے لو، اگر وہ اصلاح کا ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت

پیدا کردیں گے۔

طلاق سے قبل اگر صلح ہوجائے تو یہ اچھا ہے، لیکن طلاق کے بعد صلح اور صفائی کا کوئی ذکر نہیں'۔(۱۴)

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ پنچائیت کے قیام کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ وہ طلاق تک نوبت نہ پہنچنے دے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد اس وقت پورا ہوگا جبکہ ثالثی کونسل کا قیام طلاق سے پہلے ہو، جیسے کہ قرآن کریم کہتا ہے اور آرڈیننس کہتا ہے کہ مصالحت کی فکر طلاق کے بعد کی جانی چاہیے، یعنی دولڑنے والوں کو لڑائی کے وقت تو بیٹھے دیکھتے رہو اور جب ان میں سے ایک دوسرے کا قصہ پاک کر ڈالے تو سمجھانے بجھانے اور دونوں میں مصالحت کرانے کی فکر کرو، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ عقل یا شریعت میں کون سا تقاضا تھا جس نے ہمارے واضعین قانون کی اس بات کی طرف رہنمائی کی؟''۔(۱۵)

(۴) **عدت:** عدت کے لغوی معنی گننے اور گنتی کے ہیں، اصطلاح میں اس سے مراد وہ مدت انتظار ہے جو ایک عورت طلاق، شوہر کی وفات یا کسی اور طریقے سے فسخ نکاح کی صورت میں کرتی ہے۔(۱۶) اسلامی تعلیمات کی روشنی میں نکاح صحیح کی صورت میں اگر وطی یا خلوت سے پہلے علیحدگی ہوگئی تو عدت واجب نہیں ہے، لیکن اگر شوہر کا انتقال ہوجائے تو بہرحال عدت وفات واجب ہے، عدت وفات قمری چار مہینے دس دن ہیں اور اگر زوجہ حاملہ ہو تو وضع حمل ہے، اسی طرح مطلقہ کی عدت اگر اسے حیض آتا ہو تو مکمل تین حیض ہے اور اگر کم عمری یا زیادہ عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو قمری تین مہینے ہیں۔(۱۷)

عدت سے متعلق طریقہ کار اور قوانین مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ء میں بھی موجود ہے، جس کے مطابق:

''طلاق تاوقتیکہ صریحاً یا بصورت دیگر پہلے ہی رجوع نہ کرلیا گیا ہو، اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ اس دن سے نوے دن نہ گزر جائیں، جس دن چیرمین (ثالثی کونسل) کو ذیلی دفعہ (۱) کے تحت نوٹس حوالے کیا گیا ہو۔ اسی طرح اگر طلاق دیتے وقت بیوی حاملہ ہو تو طلاق اس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ ذیلی دفعہ ۳ میں مذکورہ مدت (۹۰ دن) نہ گزر جائے یا وضع حمل نہ ہوجائے جو بھی بعد میں ہو'۔(۱۸)

عدت گزارنے کے مذکورہ بالا طریق کار پر علماء کے مندرجہ ذیل معروضات ہیں:

اس میں عدت کی میعاد ۹۰ دن مقرر کی گئی ہے، جو قرآن وسنت کے خلاف ہے، جیسا کہ مفتی محمود لکھتے ہیں:

''ہمارے عائلی قوانین میں عورت کی عدت کے لیے ۹۰ دن مقرر ہیں، آگے اس ے نہ کوئی تفصیل

ہے، نہ وضاحت، حالانکہ حیض کے ذریعہ گزرنے والی عدت ۳۹ دن کی بھی ہوسکتی ہے اور یہ کم سے کم مدت ہے، صورت اس کی یہ ہے کہ اگر طہر کے اختتام پر طلاق دی ہو اور متصل ہی حیض شروع ہو جائے اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ حیض کی کم از کم مدت ۳ دن اور طہر کی کم از کم مدت ۱۵ دن ہے، تو پہلے حیض ۳ دن پھر طہر ۱۵ دن پھر حیض ۳ دن پھر طہر ۱۵ دن پھر تیسرا حیض ۳ دن، یہ کل ۳۹ دن ہوگئے۔ گویا عدت کی کم از کم مدت ۳۹ دن ہوسکتی ہے، لیکن عائلی قوانین بنانے والوں نے ۹۰ دن مقرر کئے ہیں، یہ اب بھی بضد ہیں کسی کی بات سننے اور سمجھنے کے روادار نہیں، لیکن یہ انتہائی بے وقوفی کی بات ہے، عدت کو ۹۰ دن کے ساتھ خاص کرنا صریح نص کے مخالف ہے۔ یہ ۹۰ دن والی عدت صرف دو قسم کی عورتوں کی عدت ہوسکتی ہے:

(الف) جس لڑکی کو صغرسنی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو

(ب) جس عورت کو بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو۔ پھر مزے کی بات یہ ہے کہ جو عورت غیر مدخول بہا ہو اور اسے طلاق دی جائے، تو اس کی عدت ہے ہی نہیں، لیکن عائلی قوانین میں اس کے لیے بھی ۹۰ دن مقرر ہیں، یہ صریح نص کی مخالفت ہے، لیکن وہ لوگ بضد ہیں، اب اس قانون کو بدلتے بھی نہیں''(۱۹)

آپ مزید لکھتے ہیں:

''عدت کے لئے قرآن کریم کا اصول یہ ہے کہ عدت شروع ہوتی ہے طلاق کے وقت سے ((اور عورتوں کو عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرو (الطّلاق، ۶۵:۱)) طلاق جب دی گئی تو عدت فوراً شروع ہو جاتی ہے، لیکن اس آرڈیننس کے اندر یہ ہے کہ طلاق کے بعد سے نوے دن شمار ہوں گے، اگر بیس دن کے بعد چیئرمین (ثالثی کونسل) کو اطلاع ملی تو عدت بھی بیس دن کے بعد شروع ہوگی، یہ بھی قرآن وحدیث کے خلاف ہے''۔(۲۰)

محمد تقی عثمانی آرڈیننس کے مذکورہ دفعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ آرڈیننس قران وسنت سے چھ چیزوں میں ٹکرا رہا ہے:

۱۔ آرڈیننس میں طلاق کے بعد ثالثی کے ذریعہ مصالحت کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور قرآن کریم نے طلاق سے پہلے مصالحت کی فکر کرنے کو کہا ہے۔

۲۔ آرڈیننس میں عدت گزرنے تک طلاق کا بالکل بے اثر قرار دیا گیا ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے طلاق کا ایک اثر (پہلے شوہر کے لئے حرام ہونا) تو ہر حال میں طلاق کا لفظ بولتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور اگر

شوہر نے بیوی سے خلوت کئے بغیر طلاق دی ہے، تو دوسرا اثر یعنی دوسروں سے نکاح کرنے کا جواز بھی فوراً مرتب ہو جاتا ہے۔

۳۔　آرڈیننس میں عدت کا شمار چیرمین کو طلاق کی اطلاع کے بعد سے کیا گیا ہے، حالانکہ قرآن وسنت کی رو سے اس کا شمار طلاق کے تلفظ کے فوراً بعد سے شروع ہو جاتا ہے۔

۴۔　بیوی کے غیر حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈیننس نے عدت کی مدت نوے دن مقرر کر دی ہے، حالانکہ قرآن کریم نے تین ایّام ماہواری بتلائی ہے، خواہ کتنے دن میں بھی ہوں۔

۵۔　بیوی کے حاملہ ہونے کی صورت میں آرڈیننس نے عدت نوے دن اور وضع حمل میں سے طویل تر مدت کو قرار دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم حاملہ کی عدت علی الاطلاق وضع حمل بیان کرتا ہے، خواہ ایک ہی دن میں ہو جائے۔

۶۔　آرڈیننس میں عدت گزرنے کے بعد پہلے شوہر سے نکاح کرنا ہر صورت میں جائز رکھا ہے، بجز اس کے کہ نکاح تین مرتبہ علیحدہ علیحدہ فسخ ہو چکا ہو، یعنی ایک مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کر لیا گیا ہو یا تجدید نکاح کر لی گئی، پھر دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا، اب تیسری مرتبہ طلاق دے گا تو پھر دوبارہ نکاح بغیر دوسرے شخص سے شادی کئے جائز نہ ہوگا، اس صورت کے علاوہ ہر صورت میں آرڈیننس نے شوہر اول سے نکاح کو جائز رکھا ہے، حالانکہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں بھی ویسا ہی اثر رکھتی ہیں جیسا کہ الگ الگ دی ہوئی طلاقیں اور اس پر صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہ کا اجماع ہے، بعض اسلامی فرقے جو اس مسئلہ میں پوری امت سے مختلف رائے رکھتے ہیں، ان کے نزدیک بھی اگر تین طلاقیں تین طہروں میں دی جائیں، تو پہلے شوہر سے نکاح جائز نہیں رہتا، مگر آرڈیننس کی رو سے اس صورت میں بھی اسے جائز رکھا گیا ہے''۔[۲۱]

حواشی وحوالہ جات

۱۔　مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ،۱۹۶۱ء (اردو ترجمہ ،نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء) اسلام آباد ،مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، دفعہ ۵، ذیلی دفعات: ۱۔۶، ص ۱۳

۲۔　مفتی، محمد شفیع، جواہر الفقہ ،۲:۴۲، ۱۴۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۹۹۹ء

۳۔　مولانا، تنزیل الرحمٰن، مجموعہ قوانین اسلام، ۱:۱۳۲، ۱۳۳، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء

۴۔ مفتی سیاح الدین کاکاخیل، تفہیم الاحکام، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۶ء، ۱: ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱

۵۔ مفتی محمود''عائلی قوانین اور پوتے کی وراثت''، ہفت روزہ ترجمان اسلام (مفتی محمود نمبر) لاہور، ج ۲۳: ش ۱۶، ۱۷، اپریل ۱۹۸۱ء، ص ۴۸۵، ۴۸۶

۶۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، ۱۹۶۱ء (اردو ترجمہ، نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء) ص ۱۴

۷۔ ترجمان اسلام، ص ۴۸۶، ۴۸۷

۸۔ مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ ۲: ۳۲، ۳۳

۹۔ مفتی، سیاح الدین کاکاخیل، تفہیم الاحکام، ۱: ۱۲۸، ۱۲۹۔

۱۰۔ مفتی، محمد تقی عثمانی، ہمارے عائلی مسائل، ص ۶۵، ۶۶ ، دارالاشاعت، کراچی ۱۴۱۳ھ۔

۱۱۔ مجموعہ قوانین اسلام: ج ۱: ص ۱۳۵۔۱۴۳۔

۱۲۔ النساء ۴: ۳۴، ۳۵

۱۳۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، ۱۹۶۱ء (اردو ترجمہ، نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء) دفعہ ۷، ذیلی دفعہ ۴، ص ۱۵

۱۴۔ مولانا، مفتی محمود، ترجمان اسلام، ص ۴۹۲

۱۵۔ ہمارے عائلی مسائل، ص ۱۳۱

۱۶۔ الدکتور، وھبة الزحیلی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، فصل العدة والاستبراء، ۷: ۶۲۳، ۶۲۴، مکتبة العلمی، بیروت، ۲۰۰۶ء

۱۷۔ مفتی محمود، تفسیر محمود، ۱: ۳۴۰، ۳۴۱، جمعیت پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۷ء

۱۸۔ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس، ۱۹۶۱ء (اردو ترجمہ، نمبر ۸ مجریہ ۱۹۶۱ء) دفعہ ۷، ذیلی دفعہ ۳، ۵، ص ۱۵

۱۹۔ تفسیر محمود، ۱: ۳۴۱، ۳۴۲

۲۰۔ ترجمان اسلام، ص، ۴۹۱

۲۱۔ ہمارے عائلی مسائل، ص ۱۲۹، ۱۳۰

☆☆☆☆☆